سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور ۲۷

مقصدِ حسین علیہ السلام

از افادات

سرکار سید العلماء علامہ علی نقی النقوی مدظلہ العالی

مجتہد العصر لکھنؤ

قیمت ۲ر آنے

امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور

کا تبلیغی رسالہ نمبر ۲۷ "مقصدِ حسینؑ" محرم ۱۳۷۶ھ کی رعایت سے شائع کیا جا رہا ہے۔ قبل ازیں یہ مفید رسالہ امامیہ مشن لکھنؤ سے اشاعت پذیر ہو کر سندِ قبولیت حاصل کر چکا۔ سرکار سید العلماء، علامہ علی نقی النقوی مجتہد العصر ایسے "حسین شناس" خطیب لاثانی کی یہ وہ تقریر ہے جو سرکارِ موصوف نے ۱۳۶۰ھ کو آل انڈیا ریڈیو سٹیشن لکھنؤ سے نشر فرمائی۔

کربلا کے ہیرو، انسانیت کے محسن امام حسین علیہ السلام کا مقصد وہی تھا جو آدمؑ سے لیکر خاتم الانبیاءؐ تک تمام انبیاءؑ لے کر آئے۔ وہی ہر نبی اور دنیا کے ہر ریفارمر کا مطمحِ نظر تھا۔ یعنی ابنِ آدم حقیقی آزادی سے ہمکنار ہو۔ مولائے مظلومؑ اس مقصد میں اس درجہ کامیاب ہوئے کہ آج ان کا نام اور کام، خدا پرستی، حق پسندی، ایثار و قربانی، آزادیٔ ضمیر اور حریتِ انسانی کا سب سے بڑا معلّم ہے۔

حسینیت کا تذکرہ اسلام حقیقی کی تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ افرادِ ملت کو چاہئے کہ اس رسالہ کی ایام محرم میں مفت تقسیم کا انتظام کریں۔

خادم دین:-

سید حسن علی شاہ کاظمی

سیکرٹری امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین

پھولوں کی سیج پر آرام کی نیند سونا آسان ہے مگر کانٹوں پر بستر لگائے رکھنا مشکل۔ خوشی کو ہر ایک کی طبیعت ڈھونڈتی ہے مگر غم کے ساتھ نباہ بہت دشوار۔ ہاتھ میں لگی ہوئی پھانس تو جب تک نکل نہ لے چین نہیں آتا پھر دل میں چبھے ہوئے کانٹے کو سینہ سے لگائے رکھنا کہاں ممکن ہے۔ اسی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کربلا کا واقعہ بس ایک دردبھری کہانی نہیں تھا بلکہ اس میں انسانی زندگی کے جراثیم مضمر تھے۔ جب ہی انسانوں کی دنیا میں اس کا چرچا ہوا، رہا اور پھیلتا رہا۔

اس وقت جبکہ ہم حسینؑ کے مقصد کو سمجھنے اور سمجھانے کھڑے ہوئے ہیں دنیا کے بہت سے حصوں میں حسینؑ کا غم منایا جا رہا ہے اور ۶۱ھ میں کربلا کی سرزمین پر جو قربانی دی گئی ہے اسے آج بارہ سو ننانوے برس ہو چکے ہیں اور ایک برس کے بعد ۱۳۶۱ھ کا محرم آئے گا جس میں پورے تیرہ سو برس ہو جائیں گے اور اس لئے اس موقعہ پر دنیا کے اکثر حصوں میں ایک بہت بڑی یادگار منانے کا انتظام ہو رہا ہے۔

اس تیرہ سو برس کی لمبی مدت میں زمانہ نے کتنی کروٹیں لیں۔ آندھیاں چلیں اور نکل گئیں۔ سیلاب آئے اور گزر گئے۔ مگر حسینؑ کی یاد زندہ رہی اور آج بھی زندہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ کے نام اور انکے کام نے نوع انسانی کے دل میں گھر کر لیا ہے۔ لب پر حسینؑ کا نام، ہر دل میں حسینؑ کی یاد اور دماغ کو حسینی مقصد کی تلاش ہے۔ شخصی اور ذاتی مقصد نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو کسی کو کیا پڑی تھی کہ زندگی اس کی یاد میں صرف کرے۔ کسی مصیبت کے نقشے کو دیکھ کر نگاہ مرجھانا یا دل میں ہمدردی سے کسک پیدا ہونا بالکل ایک وقتی چیز ہے۔ مگر اسے کوئی مستقل حیثیت نہیں مل سکتی۔ حسینؑ کا مقصد نوع انسانی سے وابستہ تھا اور اجتماعی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے انسانیت نے اپنا دل چیر کر اس کی یاد کو محفوظ کر لیا۔

اب آپ چاہتے ہوں گے کہ میں اس مقصد کو کھلے لفظوں میں بیان کروں اچھا سنئے۔ مگر آپ کو میرے ساتھ تھوڑی دور تک چلنا پڑے گا۔

آپ کو یہ تو معلوم ہوگا۔ کہ حضرت محمد مصطفےٰؐ نے تمدن اور معاشرت اور آئین زندگی میں ایک انقلاب کا پیغام پہنچایا جس کا نام تھا اسلام۔ اسلام نے زندگی کے ہر حصہ میں بہت اہم تبدیلیاں کیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نوع انسانی کو برادری اور برابری کا سبق پڑھایا۔ وہ حدود و امتیازات جو انسانوں میں قائم ہو گئے تھے جن سے خدا کی مخلوق اونچے اور نیچے کے دو درجوں میں تقسیم ہو گئی تھی ان تمام امتیازات پر اسلام نے قلم پھیر دیا اور تمام آدمیوں کو ایک اکیلے خدا کی

پرستش کی دعوت دی۔

کون نہیں جانتا کہ "دنیا میں طاقت حق ہے" کا کلمہ ہمیشہ پڑھا گیا اور پڑھا جاتا ہے کہ آج جبکہ دنیا تمدن اور تہذیب میں بڑے اونچے درجہ پر بتلائی جاتی ہے۔ آج بھی طاقت ہی کا بول بالا ہو رہا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ نوع انسانی کے پرخچے اڑ رہے ہیں اور انسانیت کے دامن کی دھجیاں ہوا میں تتر بتر دکھائی دیتی ہیں۔

عرب میں شعوبیت یعنی قوم و نسل کے امتیاز کا خیال بڑا غالب تھا۔ وہ اپنے سامنے غیر عرب کو انتہائی ذلیل سمجھتے تھے۔ اور خود آپس میں قانونی احکام اور فوجداری کے قوانین و تعزیرات تک میں بڑے اور چھوٹے کا فرق قائم کر لیا تھا۔ بڑے آدمیوں کی جانیں بہت مہنگی تھیں اور چھوٹے آدمیوں کی سستی جانیں تول میں ان کے برابر نہیں سمجھی جاتی تھیں ان میں مال و دولت، قوم و قبیلہ کی کثرت۔ خاندانی جاہ و حشمت وہ چیزیں تھیں جو عزت کا معیار سمجھ لی گئی تھیں۔ اور جو لوگ ان چیزوں سے محروم تھے ان کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔

یہ طاقت کی پوجا ہزاروں طرح کے اجتماعی گناہوں کی نیو تھی اور بہت سی خرابیوں کے سوتے اسی ایک سرچشمہ سے پھوٹ رہے تھے۔

حضرت محمد مصطفےٰؐ نے آکر پہلی ہی دفعہ ان حدود اور امتیازات کو ختم کیا اور

بڑائی کا ایک نیا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ آدمی سب ایک ہیں۔ فرق ہے تو انسانی فرائض کے ادا کرنے کے ساتھ جو ان فرائض کو سب سے زیادہ ادا کرتا ہے وہی سب سے بڑا آدمی ہے یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اس سے تمام ان لوگوں کے اقتدار کو کاری ضرب لگی جو عزت و اقتدار کے بٹوارے میں پہلے کافی حصہ رکھتے تھے انہوں نے ڈٹ کر اسلام کا مقابلہ کیا اور پیغمبرؐ کو ان کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں اٹھانا پڑیں۔ اس سلسلہ میں بدر، احد اور خندق کی لڑائیاں مشہور ہیں۔ اور یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ ان لڑائیوں میں رسولؐ کے مقابلہ میں قبیلہ بنی امیہ کا لیڈر ابوسفیان آگے آگے تھا۔ پیغمبرؐ کو فتح ہوئی اور یہ لوگ ناکام ہوئے آخر میں ان کو ہتھیار ڈال دینا پڑے اور حضرت محمد مصطفےٰؐ کے سامنے سر جھکا دینا پڑا۔

پیغمبرؐ کے زمانہ میں کسی کو یہ موقع نہیں مل سکتا تھا کہ وہ اسلام کے اصول میں کوئی تبدیلی کر سکے۔ آپ اپنے مشن کے بڑی سختی کے ساتھ خود پابند بھی تھے اور دوسروں کو پابند بناتے بھی تھے اس وقت جب عرب کے تمام قبیلوں کی طرف سے روپیہ کھنچ کھنچ کر آپ کے پاس آتا تھا اور ہزاروں آدمی آپ کا حکم ماننا اپنے لئے فخر سمجھتے تھے اس وقت بھی آپ نے فقیروں کے ساتھ اٹھنا، بیٹھنا، پھٹے پرانے کپڑے پہننا اور ملنے والوں سے برابری کا برتاؤ کرنا نہیں چھوڑا۔ آپ نے اپنی مسجد کا مؤذن ایک حبشی کو بنایا تھا جسے عرب لوگ

بہت ذلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مگر رسولؐ نے اسکو بڑی عزت دے رکھی تھی۔ آپؐ نے اپنی پھوپھی زاد بہن کی شادی ایک آزاد کئے ہوئے غلام کے ساتھ کر دی۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ آپؐ نے اسی غلام کے لڑکے کو بڑے اونچے خاندان والے عربوں کا سردار بنا دیا۔ اس پر لوگ بہت جز بز ہوئے مگر آپؐ نے ایک نہ سنی۔ اور اپنی بات پر قائم رہے۔ جن لوگوں کی آپؐ بڑی تعریف کرتے تھے اور انتہائی عزت کرتے تھے، بہت سے ان میں سے غریب کمزور اور پردیسی لوگ تھے۔ سلمان فارسیؓ جو ایران کے رہنے والے تھے رسولؐ کے ساتھ اتنی خصوصیت رکھتے تھے جو کسی دوسرے کو مشکل سے حاصل تھی یہ سب اس لئے تھا کہ ذہنیت میں تبدیلی پیدا ہو۔ اور انسانیت سونے چاندی کے گنگا جمنی طوق اور زنجیروں کی قید سے آزاد ہو۔

افسوس کہ پیغمبرؐ کی زندگی نے زیادہ ساتھ نہ دیا اور آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ کا مشن اس حیثیت سے مکمل ہو گیا تھا۔ آپ نے اس کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اور کچھ لوگ عملی طور سے اس کے پابند ہو گئے۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ جمہور کی ذہنیت کی تبدیلی اور اس تبدیلی کے راسخ ہونے کے لئے بہت بڑی مدت درکار تھی رسولؐ کے بعد ابھی تھوڑے دن گزرے تھے کہ بنی امیہ کے اقتدار کی بنیاد قائم ہوئی۔ یہ شروع شروع میں صرف ایک صوبہ کے گورنر کی حیثیت سے تھی مگر رفتہ رفتہ اس کے اثر اور نفوذ میں ترقی ہوتی گئی۔

شام میں اسی خاندان کا اقتدار بالواسطہ اس جماعت کا اقتدار تھا۔ جو
ہمیشہ پیغمبرِ اسلامؐ سے لڑتی رہتی تھی اور آخر میں بے بسی سے سرِ اطاعت
جھکانے پر مجبور ہوئی تھی۔

اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ اس جماعت کے منصوبے
اپنے برسرِ اقتدار آنے کے بعد کیا ہونے چاہئیں؟ معمولی دل و دماغ بھی کہے گا کہ
ان ہی امتیازات کو واپس لانا جنہیں پیغمبرِ اسلامؐ نے مٹا دیا تھا اور جن کا اثر
اس جماعت کے اقتدار پر بہت گہرا پڑا تھا، مگر چونکہ اس جماعت کا اقتدار
اب اسلام کے سایہ میں اسلام کی نمائندگی میں حاصل ہوا تھا اسلئے ضرورت تھی
کہ اس پردہ ہی میں اپنے منصوبوں کی تکمیل کریں۔ اور یہ اس سے زیادہ خطرناک تھا کہ
یہ کھل کر ایک دشمن کی حیثیت سے اپنے مقاصد کا اعلان کر دیتے۔

سمجھنے والوں نے سمجھا کہ اسلام کی سادگی اور اسلام کی مساوات کے بجائے
ملوکیت اور جہانبانی کی شان پیدا ہو رہی ہے اور سرمایہ داری کی بنیاد پڑ رہی
ہے۔ اس پر احتجاج بھی ہوا۔ اور احتجاج کا نتیجہ تھا، ابوذر غفاریؓ کا
جلا وطن کیا جانا۔ ربذہ کے جنگل میں بھیجا جانا اور رسولؐ کے اس
صحابی کا اکیلے دم توڑنا اور دنیا سے گزر جانا۔ یہ ابتدا ہے اس
جنگ کی جس کی تکمیل کربلا میں ہوئی۔

زمانہ نے ایک کروٹ ایسی بدلی کہ شہنشاہی حضرت علیؑ کو حاصل ہوئی
آپ کو سیاسی اقتدار حاصل ہونا اس سادگی اور مساوات کے اصول کے نئے سرے
سے عملداری ہو جانا تھی جو رسول اسلامؐ نے قائم کیا تھا۔ اسی لئے مخالف

جماعت نے بغاوت کی اور تابڑ توڑ کی شورشوں اور لڑائیوں میں آپ کو ایسا
الجھایا گیا کہ آپ ان مقاصد کو پورا نہ کر سکے جو آپ کے سامنے تھے۔ آخر
مسجد میں علیؑ کا سر تلوار سے دو ٹکڑے ہو گیا اور اسلامی مساوات کا وہ
مشنری دنیا سے رخصت ہو گیا۔

آپ کے بیٹے حضرت حسنؑ کو زمانہ وہ ملا جب شام کی حکومت کو بڑی
قوت حاصل ہو چکی تھی، آپ نے جنگ کے ذریعہ سے کامیابی کی کوئی
صورت نہ پائی تو صلح کر کے مخالف کی جارحانہ کارروائیوں کو اصول کے
شکنجہ میں قید کیا اور آپ نے دور اندیشی سے کام لے کر یہ بڑی شرط
رکھدی کہ شام کے حاکم کو اپنے بعد کسی کے جانشین بنانے کا حق
نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے بعد حکومت بنی ہاشم کی طرف واپس آئے گی
یہ ایسی شرط تھی جس نے مستقبل کو کسی حد تک محفوظ کر دیا تھا۔
مگر سیاست کی دنیا میں سچائی اور وعدے کی پابندی تو کوئی چیز
ہے نہیں۔ وعدے کئے جاتے ہیں توڑنے کیلئے اور معاہدے لکھے
جاتے ہیں ردی کی ٹوکری میں پھینکنے کے لئے۔ وہی ہوا جو اس طرح کی
سیاست کا تقاضا تھا۔ شرطیں کیسی اور کہاں کا معاہدہ۔ حضرت امام حسنؑ کی
زندگی آخری مقاصد میں رکاوٹ پیدا کر رہی تھی۔ آپ کو پُر اسرار طریقہ پر
زہر سے شہید کر دیا گیا۔ یہ بھی ایک قربانی تھی جو اسلامی تمدن کی
قربانگاہ پر نذر ہو گئی۔

اب ان لوگوں میں جو اسلامی تمدن کے محافظ ہو سکتے تھے صرف حسینؑ کی

ذات باقی تھی۔ ظاہری طور پر اب آپ کو قدم آگے بڑھانے کا کوئی
موقع نہ تھا۔ وہ پورا جتھا جس کو ساتھ لے کر شام کی طاقت سے مقابلہ
کیا جا سکتا تھا امام حسنؑ کی صلح کے بعد بکھر چکا تھا اور اب اس کے
اکٹھا ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ سیاست حاضرہ کی غیر اسلامی چال
دیکھ کر دم گھٹتا تھا۔ مگر آپ منتظر تھے کہ معاویہ اپنے بعد کے لئے
کیا صورت اختیار کرتے ہیں۔

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس مدت میں حق کے پجاری بالکل چپ
رہے۔ نہیں۔ اس سخت اندھیری رات اور اس کے سناٹے میں کبھی کبھی
اِدھر اُدھر سے چیخ کی آواز سنائی دے جاتی تھی۔ مگر وہ آواز اسی طرح دبا
دی جاتی تھی جس طرح آپ سنتے ہیں کہ ہٹلر اپنے ملک میں ہر مخالف
کی آواز کو دبا دیتا تھا۔ عمرو بن الحمق الخزاعی اور حجر بن عدی اور ان کے
دس گیارہ ساتھیوں کا انجام تاریخ میں آپ کے سامنے ہے یاد رکھئے
کہ ان لوگوں کو حاکم شام سے کوئی خاندانی عداوت نہ تھی۔ وہ صرف
اصول کا اختلاف تھا۔ جس نے کائنات کی اس وسیع فضا میں
ان کے لئے جگہ باقی نہ رکھی۔

حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے ان واقعات پر احتجاج ضرور کیا۔ مگر
پھر بھی آپ دیکھ رہے تھے کہ آخری شرط کا کیا انجام ہوتا ہے۔
لیجئے آگیا وہ وقت کہ امیر معاویہ نے اپنے بعد کے لئے اپنے بیٹے یزید کو
جانشین بنا دیا۔ یہ اس معاہدہ کی آخری پامالی تھی۔ جسے معاہدہ کے شرائط میں

محفوظ کیا گیا تھا۔

یزید کے افعال بھی ایسے تھے جو اسلام کے احکام سے کھلم کھلا بغاوت کے
مرادف تھے۔ امام حسینؑ نے اس کو شدت کے ساتھ محسوس کیا۔

معاویہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس معاملہ میں سب سے زیادہ متعلق ہستی
حسینؑ کی ہے۔ اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ آپ کو ملا لیا جائے
مگر یہ کوشش ناکامیاب ہوئی۔ امام حسینؑ نے صاف کہہ دیا کہ میں
اس کارروائی سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ امیر معاویہ نے آپ کے ساتھ
اس انکار پر زیادہ سختی نہیں کی۔ مگر معاویہ کا انتقال ہو گیا اور یزید
تختِ حکومت پر بیٹھا تو اس کے سامنے سب سے پہلے یہی مسئلہ
تھا کہ حسینؑ سے بیعت حاصل کی جائے۔ اس نے مدینہ کے گورنر
کو لکھا کہ حسینؑ سے بیعت لو۔ نہیں تو انہیں قتل کر دو۔ یہ پہلا ہی
تشدد کا قدم تھا جو حسینؑ کے خلاف اٹھایا۔ حسینؑ اس کے لئے بالکل
تیار تھے۔ انہوں نے کہا کہ میری جان جائے مجھے گوارا ہے۔ مگر میں اس
سلطنت کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کروں گا۔

وقت وہ تھا جب احساسات بالکل مر چکے تھے۔ فضا میں کامل سناٹا تھا
جن لوگوں سے مخالفت کا اندیشہ ہو سکتا تھا ان میں کچھ کا گلا گھونٹا جا چکا تھا۔
اور کچھ کے ضمیر خرید کر ان کی زبانوں کو بند کر دیا گیا تھا۔ سنہری تلوار کی جھنکار اور
روپیہ اشرفی کی کھنک نے بڑے بڑوں کے دل ڈانواں ڈول کر دیئے تھے اس
وقت حسینؑ اس آخری اقدام کے لئے تیار ہو رہے تھے جو بنی امیہ کے

استبداد کے قصر کو زمین پر گرا دے۔

امام حسینؑ کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرتے۔ انہوں نے جنگ کا ایک نیا طریقہ نکالا جو اس سے پہلے دنیا نے نہیں دیکھا تھا۔ وہی ان کے مقصد کے لئے زیادہ مفید اور کارگر بھی تھا وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے ہیں۔ ان میں ذہنی جمود پیدا ہو گیا ہے۔ ان کے احساسات پر غشی چھا گئی ہے۔ ان میں یہ شعور باقی نہیں رہا کہ بنی امیہ کے افعال و اعمال اسلامی طریقہ کے خلاف ہیں۔

بڑا سبب اس کا اسلام کے نام کی وہ نقاب ہے جو ان کے چہروں پر پڑی ہوئی ہے۔ حسینؑ چاہتے تھے ایک ایسا شدید جھٹکا دیں کہ ان کے احساسات پھریری لے کر ہوش میں آ جائیں اور چہرہ کی یہ نقاب ہٹ جائے۔ اس کے اصلی خط و خال سامنے آ جائیں اور دنیا دیکھ لے کہ اس ملوکانہ سیاست کے انتہائی قدم کہاں تک جا سکتے ہیں

انہوں نے اس کے لئے فوج اور لشکر جمع نہیں کیا۔ انہوں نے وہ عابد و زاہد اور متقی لوگ ڈھونڈے جن میں کا ہر شخص اپنے اخلاق و اوصاف کی بلندی سے سچے اسلام کا نمائندہ تھا اور ملک میں جس کے زہد اور پارسائی کا ہر شخص کو اعتراف تھا۔ انہوں نے رسولؐ کے خاندان کے جوان اور بچے، یہاں تک کہ دودھ پیتا بچہ تک اپنے ساتھ لے لیا اور رسولؐ کے گھرانے کی

معزز عورتیں جن میں خاص رسول اللہؐ کی حقیقی نواسیاں موجود تھیں اپنے ہمراہ لیں۔ حسینؑ نے اپنے دشمن کی فطرت کو خوب پہچان لیا تھا۔ وہ اس کے تشدد کے امکانات میں کافی اضافہ کر رہے تھے۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ حسینؑ نے جو سامان اپنے ساتھ لیا تھا وہ سب حسینی مقصد کی تکمیل میں صرف ہوا۔

بوڑھے قتل ہو گئے۔ جوان قتل ہو گئے۔ بچے قتل ہو گئے دشمن کے تشدد کا آخری تیر باقی تھا۔ حسینؑ نے اس کے لئے بھی نشانہ ڈھونڈ لیا تھا۔ ربابؑ کی گود سے چھ مہینہ کا بچہ لے لیا۔ سب سے آخر میں اپنی گردن کو بھی پیش کر دیا۔ شاہزادیوں کو قید ہونے کے لئے اپنے بعد چھوڑا۔

یہ سب ہؤا اور سمجھ بوجھ کر ہؤا۔ حسینؑ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں اور یزیدیت اور اسلام دو الگ الگ چیزیں ہو گئیں۔ حسینؑ کا مقصد بھی بس یہی تھا وہ چاہتے تھے کہ اسلامی تمدن پر جو اموی شہنشاہیت کا رنگ چڑھ رہا ہے جس سے اس کے حدود امتیازات ٹوٹتے جاتے ہیں یہ رنگ اتر جائے۔ دنیا یہ سمجھ لے کہ اسلامی تمدن وہ نہیں ہے جو دمشق کے دارالامارہ میں نظر آتا ہے۔ جہاں شراب کے جام چل رہے ہیں اور مہوشوں کا جھرمٹ لگا ہوا ہے۔ جہاں تمام رعایا سے سمٹ کر دولت سمیٹی جاتی ہے۔ اور وہ خلیفہ کی

رنگ رلیوں پر صرف ہوتی ہے۔ جہاں طرب و نشاط کے نقارخانہ میں غریبوں کی صدا سنی نہیں جاتی۔ اور جہاں انصاف کو کند چھری سے ذبح کیا جاتا ہے۔ حسینؑ نے دکھلایا کہ اسلام کا تمدن وہ ہے جسے کربلا کے میدان میں پیش کر دیا گیا۔ جہاں ایک حبشی غلام بھی زخمی ہو کر گھوڑے سے گرتا ہے اور امامؑ کو آواز دیتا ہے تو امامؑ اس کے سرہانے جاتے ہیں اور سر اٹھا کر گود میں رکھتے ہیں۔ غلام کی روح آقا کی گود میں جسم سے مفارقت کرتی ہے۔

یزیدی طاقتیں دنیا میں بہت پیدا ہو سکتی ہیں اور ہر قوم میں پیدا ہوتی ہیں۔ مگر حسینی مشن جو کربلا کی زمین پر پایۂ تکمیل کو پہنچا وہ ہر زمانہ میں یزیدیت کی شکست کے لیے کافی ہے۔ اس شرط سے کہ حسینؑ کے کارنامے کو دنیا یاد رکھے۔ اور اس سے سبق حاصل کرے۔

علی نقی النقوی

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوّت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوت شبیریؑ است
باطل آخر داغ حسرت میری است

تا قیامت قطع استبداد کرد — موج خون او چمن ایجاد کرد
خون او تفسیر ایں اسرار کرد — ملت خوابیدہ را بیدار کرد
(اقبالؒ)